کشمیر میں اردو افسانہ

ڈاکٹر مشتاق حیدرؔ

اردو افسانہ 1902ء سے شروع ہوکر آج تقریباً سوا سو سال کی عمر گزار چکا ہے۔ یہ صنف اردو میں مغرب سے آئی لیکن کہانی دیگر صورتوں میں یہاں پہلے سے موجود تھی۔ حق تو یہ ہے کہ کہانی کا واسطہ انسان اور انسانی زندگی کے ساتھ ازّل سے ہے جو شاید ابد تک قائم رہے گا۔ مذہبی و آسمانی کتابیں اور صحیفے بھی اسی کہانی پن کے اسلوب میں نظر آتے ہیں۔ کہانی زمانے کے تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق رنگ بدلتی رہی ہے ۔مشرق میں حکایات، کہہ مکرنیوں اور داستانوں سے ہو کر یہ مختصر افسانے کی صورت میں اپنی جلوہ گری سے قارئین کو حظ وانبساط اور احساس وادارک سے سرفراز کرتی رہی ہے۔

اردو کا مختصر افسانہ مختلف ادبی تحریکوں اور رجحانات سے ہوتا ہوا اب اُس مقام پر آ پہنچا ہے جہاں اِسے عالمی سطح کے فکشن کے سامنے آن بان اور شان کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے۔ پریم چند کی مثالیت پسندی، ترقی پسندوں کی حقیقت نگاری اور

جدیدیوں کی علامتیت وتجریدیت پسندی نے اِس صنف کو بُتِ ہزار شیوہ بنا دیا ہے۔

اظہار کی سطح پر افسانہ کبھی کبھی اپنے قاری سے دور بھی ہوا لیکن موضوعات کی سطح پر یہ ہمیشہ سماج سے جُڑا رہا۔ سماجی زندگی کے مختلف رنگوں اور فرد کی امنگوں اور آرزوؤں کو یہ صنف سخن دیگر اصناف کے مقابلے میں زیادہ متاثر کن انداز میں پیش کرنے کا یارا رکھتی ہے۔ یوں اردو افسانہ کے توسط سے اردو سے وابستہ لسانی گروہ کی سماجی زندگی کی ایک مکمل تاریخ کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح برصغیر کے مختلف حصوں میں موجود الگ الگ ثقافتی اکائیوں میں سامنے آنے والا اردو افسانہ، افسانے کے کُل کا ایک جز و تصور کیا جائے گا۔

چونکہ اردو زبان کا کوئی مخصوص علاقہ نہیں ہے لیکن اِس بے گھری نے اردو ادب خصوصاً اردو افسانے میں ایک ایسی رنگا رنگی پیدا کی ہے جس میں معاشرتی اور انفرادی زندگی کی متنوع جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ یوں اس صنف نے ایک نگار خانے کی حیثیت حاصل کی ہے، جس میں مختلف لسانی وتہذیبی اکائیوں کی تصاویر جا بجا نظر آتی ہیں۔ اِس نگار خانے کا ایک رنگ تصویرِ کشمیر بھی ہے۔ وہ تصویر جو یہاں کے اردو افسانے کی بدولت سامنے آئی ہے۔

اس بات کا تذکرہ بہت اہم ہے کہ اردو افسانے کی تحقیق وتنقید میں کشمیر کے افسانہ نگاروں کا تذکرہ تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہاں کے کہنہ مشق اور نامور افسانہ نگاروں کا تذکرہ خال خال ہی نظر آتا ہے دیگر افراد کی تو بات ہی نہیں ہے۔

کشمیر میں اردو افسانے پر کوئی مبسوط کتاب ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے۔ البتہ کئی مضامین رسالوں کی زینت بنے ہیں جن میں برج پریمی، حامدی کاشمیری اور خاص طور پر پروفیسر اسداللہ وانی صاحب کے مضامین شامل ہیں۔

نوجوان ادیب سلیم سالک نے روز نامہ کشمیر عظمیٰ کے ادبی صفحے میں ایک سلسلہ قائم کیا تھا، جس کے تحت وہ ریاست کے افسانہ نگاروں اور ان کے کام کا تعارف پیش کرتے تھے۔ اس سلسلے کے تحت یہاں کے بہت سارے افسانہ نگار اور ان کی نگارشات سے عام قاری باخبر ہوا۔ اُمید ہے کہ وہ یہ سلسلہ پھر سے بحال کریں گے۔

جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ کشمیر میں اردو نثر کے باضابطہ نمونے منشی ہر گوپال خستہ اور ان کے بھائی سالگ رام سالک کی تصانیف کی صورت میں ملتے ہیں۔ پروفیسر عبدالقادر سروری نے سالگ رام سالک کی داستان جگت روپ کو کشمیر کا ابتدائی مختصر قصہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں سروری صاحب فرماتے ہیں:۔

''قدیم قصے جو کشمیر میں ملتے ہیں وہ فسانۂ عجائب کے نمونے پر لکھی ہوئی ایک 'داستان جگت روپ' میں ملتے ہیں'' [1]

منشی ہر گوپال خستہ اور سالگ رام سالک کے بعد یہاں کے سب سے اہم نثر نگار، مورخ، صحافی اور شاعر مولوی محمد دین فوق ہیں۔ فوق نے ناول، افسانہ، سوانحی تذکرہ اور تاریخ پر قلم اٹھا کر قابل قدر کارنامے انجام دیے ہیں۔ اُن کی تصانیف میں کشمیر کے اردو افسانے کے نقوش نظر آتے ہیں۔ پروفیسر قدوس جاوید نے اپنے ایک مضمون میں فوق کو ہی کشمیر کا پہلا افسانہ نگار تسلیم کیا ہے۔

کشمیر میں اردو افسانہ ایک نثری صنف کی حیثیت سے سے باضابطہ طور پر 1947ء کے آس پاس ہی سامنے آیا۔ 1947ء سے کچھ وقت پہلے کے عرصے میں پنڈت شیام لا دل (تیرتھ کاشمیری) دینا ناتھ واریکو اور شام ایمہ کے افسانے سامنے آچکے تھے۔ جبکہ 1947ء کے بعد افسانہ نگاروں کی ایک لمبی فہرست سامنے آتی ہے جنھوں نے پھر تسلسل کے ساتھ اس صنف میں طبع آزمائی کی۔ ایسے افسانہ

نگاروں میں پریم ناتھ پردیسی، پریم ناتھ در، راماننداساگر، نند لال بے غرض، دینا ناتھ دلگیر، کوثر سیمابی اور گلزار فدا کے علاوہ قدرت اللہ شہاب کا نام لیا جاسکتا ہے۔اس پیڑھی کے بعد اختر محی الدین (جنھوں نے بعدازاں کشمیری زبان کو ذریعہ اظہار بنایا)، علی محمد لون، بنسی نردوش، وید راہی، موہن یاور، تیج بہادر بھان، غلام رسول سنتوش، حامدی کاشمیری، مخمور حسین بدخشی اور نور شاہ جیسے قابل قدر افسانہ نگار شامل ہیں۔نور شاہ آج بھی اُسی دم خم کے ساتھ لکھ رہے ہیں۔اللہ انہیں طولِ عمر عطا کرے!

جس طرح اردو کے پہلے افسانہ نگار کے بارے میں مورخین میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، اُسی طرح کشمیر کے پہلے اردو افسانہ نگار کے بارے میں یہاں کے ادبی مورخین اختلاف رائے کا شکار ہیں۔اردو کا پہلا افسانہ نگار کون ہے یا کون نہیں ہے؟ جس طرح اس سوال سے پریم چند کی اہمیت اور عظمت میں کوئی فرق پڑتا نظر نہیں آتا ہے، اِسی طرح جموں وکشمیر میں پریم ناتھ پردیسی اردو افسانے کے حوالے سے سب سے پہلا معتبر نام مانا جاتا ہے۔پردیسی کو کشمیر کا پریم چند بھی کہتے ہیں۔

چونکہ افسانہ سے پہلے کشمیر میں اردو نثر یا قصہ گوئی کی کوئی توانا روایت موجود نہیں تھی اِسی لیے جس دور میں یہاں افسانہ شروع ہوا یہ اُسی ڈگر پر چلنے لگا جو راستہ اُس زمانے میں اردو افسانے نے دیگر خطوں میں پکڑا تھا۔یعنی پریم چند کی ارضیت اور سجاد حیدر یلدرم کی رومانیت۔پریم ناتھ پردیسی نے دیگر ادبی مشاغل مثلاً شاعری وغیرہ کو ترک کر کے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر حقیقت نگاری کے اسلوب میں کشمیر کے اُس دور کے سماجی و سیاسی حالات کی عکاسی کی ہے۔برج پریمی اُن حالات کے تعلق سے لکھتے ہیں:۔

’اس زمانے میں ریاست کشمیر میں ڈوگرہ شاہی کے جور واستبداد نے کشمیری عوام کی زندگی کو کھوکھلا کر دیا تھا ــــــ چیک داری نظام کی لوٹ کھسوٹ، نوکر شاہی کی بدعت، رشوت خوری، ناخواندگی اور اقتصادی بدحالی نے پوری ریاست کو پامال کر دیا تھا۔‘‘ ۲

کشمیر میں ترقی پسند تحریک اُس زمانے میں پہنچی جب برصغیر کے دوسرے حصوں میں اِس کا اثر کم ہونے لگا تھا۔لیکن یہاں اس کا ایسا اثر ہوا کہ گویا یہ ایک تازہ تر تحریک تھی۔ 1946ء کے آس پاس کشمیر میں ترقی پسند مصنفین کی انجمن کی داغ بیل پڑی اور اُس دور کے تمام مصنفین، شعراء، فکشن نگار اس تحریک سے جڑ گئے۔ مذکورہ انجمن کے قیام کے تقریباً ایک سال بعد ایک تمدنی محاذ قائم ہوا جو ترقی پسند خیالات رکھنے والے ادیبوں پر مشتمل تھا۔ دونوں جماعتوں کی ہفتہ وار مجالس نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا اور بہت جلدی کئی افسانہ نگاروں کے افسانوی مجموعے شائع ہونے لگے۔

جیسا کہ ابتداء میں عرض کیا جا چکا ہے کہ پریم ناتھ پردیسی نے رومانیت کو خیر باد کہہ کر حقیقت پسندی کے اسلوب میں سماج کو درپیش مسائل کی عکاسی کے لیے افسانے لکھنے شروع کیے۔ان کے یہ افسانے اُن کے ابتدائی مجموعے ’شام وسحر‘ کے افسانوں سے یکلخت مختلف تھے۔’شام وسحر‘ کے افسانوں میں جہاں رومانیت کا غلبہ تھا وہیں افسانوی مجموعہ ’بہتے چراغ‘ کے افسانے حقیقت پسندی اور ارضیت پسندی سے مملو ہیں۔جن میں کشمیریوں کے دکھ، درد، مسائل ومشکلات کے ساتھ ساتھ اُن کے آرزوؤں اور تمناؤں کا بیان نظر آتا ہے۔

پریم ناتھ پردیسی کے شانہ بشانہ اِسی روش پر دیگر افسانہ نگاروں میں پریم

ناتھ درؔ، اپنی ایک الگ شناخت رکھتے ہیں۔ اُن کے دو افسانوی مجموعے 'کاغذ کا واسدیو' اور 'نیلی آنکھیں' افسانے کے فن پر اُن کی گرفت کے غماز ہیں۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں کشمیری قوم کی زبوں حالی، مالی ناداری، غربت و افلاس کی جیتی جاگتی تصویریں پیش کی ہیں۔ انہوں نے کشمیر کی جنت نشیں فضاؤں کے بجائے اپنی توجہ یہاں کے لوگوں کے مسائل پر مرکوز کی ہے۔ احتشام حسین ان کے مجموعے 'کاغذ کا واسدیو' کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ''کشمیر جو بار باران (درؔ) کے افسانوں میں آتا ہے، اپنی وہ جنت بدوش عظمتیں لیے نہیں آتا جن سے رومانوں کا افسوں جگانے کے لیے فضا تیار ہوتی ہے۔ بلکہ ان میں وہ غم آلود اور نشتر آگیں کسک بھرتا ہے جس سے ہم کشمیر کی حقیقت کے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں۔'' ۳؎

مطلق العنان حکمرانوں کی ظلم و زیادتی، سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام کی کجکلاہی، عوام کی مفلسی و ناداری کے مختلف موضوعات پر اُس دور کے جن دیگر افسانہ نگاروں نے افسانے رقم کیے ہیں، اُن میں موہن یاور، قدرت اللہ شہاب، کیف اسرائیلی، اخگر عسکری، سوم ناتھ زتشی، کوثر سیمابی اور مہندر ناتھ در قابل قدر ہیں۔

کشمیر میں اردو افسانے کے تعلق سے سب سے مبسوط مضمون پروفیسر اسداللہ وانی صاحب نے سب سے پہلے تحریر کیا ہے، جو جموں و کشمیر حکومت کے محکمہ اطلاعات کے رسالے تعمیر کے 1983ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ پروفیسر اسداللہ وانی اُس دور کے افسانہ نگاروں کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''اُس دور کے سبھی افسانہ نگاروں نے اپنے افسانوں میں فن کی نئ

قدروں اور نئے رجحانات کو سمونے کی کوشش کی ہے۔ پریم ناتھ پردیسی کا بہتے چراغ، شام وسحر اور قدرت اللہ شہاب کا سردار جسونت سنگھ، افسانوں کے کردار نئی روشنی، نئی قدروں اور نئے رجحانات کے علمبردار ہیں۔ٹھاکر پونچھی نے خانہ بدوش، یہ پتھر میرے ہیں، بے خواب کواڑ اور موہن یاور نے اُڑتے آنچل، سیاہ تاج محل، تیسری آنکھ جیسے افسانے لکھ کر جنسی اور نفسیاتی کشمکش کے پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے۔رامانند ساگر نے ٹنگمرگ کے اڈے پر، آئینے، آب حیات اور پریم ناتھ درؔ نے آخ تھو، نیلی آنکھیں، کاغذ کا واسدیو، افسانے لکھ کر جہاں تشبیہات واستعارات، اشاریت اور ابہام سے کام لیا ہے۔ وہاں طنز کے نشتر بھی چبھوئے ہیں۔ جہاں تک اُن کے افسانوں کا تعلق ہے ان میں واردات قلب اور نفسیات کا تحلیلی تجزیہ خلاقانہ ہے۔طنز ومزاح کے علاوہ استعارات اور تشبیہات کی مدد سے جس شگفتہ بیانی کا مظاہرہ کیا ہے۔وہ قابل ستائش ہے۔'' ؎

اس دور کے افسانہ نگاروں کے یہاں نفسیاتی اسلوبِ بیان کا بھی استعمال نظر آتا ہے۔اِن افسانہ نگاروں نے اپنے کرداروں کے ذہن کے نہاں خانوں میں جھانک ان کی نفسیاتی کشمکش کو بھی بڑی مہارت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ایسے افسانہ نگاروں میں مہندر ناتھ زتشی، کشمیری لال ذاکر، کنول نین، وجے نین سوسن، دیانند کپور اور کندن لال جیسے افسانہ نگار شامل ہیں۔ پروفیسر اسداللہ وانی اپنے مذکورہ بالا مضمون میں اس سلسلے میں یوں رقمطراز ہیں:۔

''مہندر ناتھ اور سوم ناتھ زتشی نے اپنے افسانوں میں انسانی زندگی،

اس کے لوازمات، کے ساتھ ساتھ ذہنی پراگندگی اور جنس ونفسیات
سے متعلق انتہائی حسین مرقعے پیش کیے ہیں ....
افسانے لکھ کر روزمرہ زندگی، اس کے مسائل، عوام کے جذبات
اور وقت کے اہم تقاضوں کو اپنے فن میں برتنے کی کامیاب کوشش
کی ہے۔'' ۵

1947ء کے بعد کشمیر کے حالات بدل گئے۔ عوامی سرکار وجود میں آئی اور ساتھ ہی پوری اردو دنیا کی طرح یہاں کے کئی لوگ اپنے خطے سے بچھڑ کر دوسری جگہوں پر ہجرت کر کے چلے گئے۔ پروفیسر اسداللہ وانی کے مطابق کئی افسانہ نگار جموں وکشمیر سے ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔ ایسے افسانہ نگاروں میں انہوں نے قدرت اللہ شہاب، کوثر سیمابی، کیف اسرائیلی، گلزار احمد فدا وغیرہ کو شمار کیا ہے۔ چند سال کے سکوت کے بعد یہاں پرُ کے افسانہ نگاروں نے پھر سے افسانے تخلیق کرنا شروع کیے۔ ایسے افسانہ نگاروں میں پروفیسر موصوف نے علی محمد لون، تیج بہادر بھان، پشکر ناتھ، حامدی کاشمیری، برج پریمی، غلام رسول سنتوش، اختر محی الدین، صوفی غلام محمد، نور شاہ، مخمور حسین بدخشی اور شبنم قیوم کا نام گنوایا ہے۔

پروفیسر حامدی کاشمیری نے اپنی شناخت بحیثیت ایک ناقد کے اردو حلقوں میں بنائی لیکن وہ شاعری، ناول، افسانہ اور دیگر اصناف میں بھی لکھتے رہے اور خوب لکھتے رہے۔ اُن کا اپنا ایک ڈکشن ہے جس میں کشمیر اور کشمیریت کے نقوش صاف پائے جاتے ہیں۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن حامدی کاشمیری کی افسانہ نگاری کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

'' حامدی نے کشمیر کی کہانیاں لکھی ہیں۔ یہاں کا ماحول ان کے

افسانوں میں ہر جگہ موجود ہے۔ مقامی رنگ نے ان کے افسانوں میں جان ڈال دی ہے۔ جنہوں نے کشمیر دیکھا ہے، وہ حامدی کے افسانوں کے کرداروں کو یہاں کے ماحول میں ضرور پہچان لیں گے۔ ان کے کردار جیتے جاگتے اور یہاں کی فضا میں سانس لیتے ہوئے کردار ہیں۔'' ٦؎

یہاں کے مقامی ماحول اور کلچر کے ساتھ ساتھ حامدی کاشمیری نے اپنے افسانوں کے کرداروں کے اندرون میں جھانک کر ان کے مسائل وحوادث کے محرکات کا خوب پتہ لگایا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر اسداللہ وانی لکھتے ہیں:

ان، افسانوں میں فن کی اہمیت، کشمیری کلچر اور عوام کی نفسیاتی زندگی کی تہہ در تہہ کڑیاں یکجا ملتی ہیں۔'' ۷؎

تیج بہادر بھان ایسے افسانہ نگاروں کی فہرست میں شامل ہیں جنہوں نے کشمیر کے خوبصورت نظاروں کو اپنے افسانوں میں پیش کرنے سے احتراز برتا ہے۔ نظاروں کے بجائے انہوں نے یہاں کے عوام کے عام دنوں کے حالات کو اپنا موضوع بنایا ہے:

''انہوں نے کشمیر کے افلاس، محرومی، یاس، استحصال، ظلم، عدم تحفظ، جاگیر دارانہ نظام اور شخصی راج کے خلاف لکھنا شروع کیا...'' ۸؎

تیج بہادر بھان کے ساتھ ساتھ پشکر ناتھ نے بھی حقیقت پسندانہ اسلوب میں یہاں کے عوام کے مسائل وحوادث کی ترجمانی کی ہے۔ ان افسانہ نگاروں نے ترقی پسند تحریک سے متاثر ہو کر انہی موضوعات کو اپنے افسانوں میں برتا جو ترقی پسند افسانے کے غالب موضوعات تھے مثلاً غریبی، ناداری، استحصال، سیاسی بے چینی

وغیرہ۔ پروفیسر اسداللہ وانی کے بقول:

''تیج بہادر بھان کا افسانہ ''جہلم کے سینے پر'' اپنے جلو میں کشمیر کا خاص ماحول لیے ہوئے ہے..... ان کے افسانوں پر کشمیری زبان کے لب ولہجہ کا کافی اثر ہے۔ پشکر ناتھ حقیقت نگار ہے۔ اس لیے ان کے افسانوں میں حقیقت اور تخیل کے درمیان ایک حدِ فاصل ہے...... (ان کے) افسانوں میں اچھے کردار ملتے ہیں جو جموں وکشمیر کے پروردہ ہیں۔'' 9

نور شاہ کشمیر کے ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے ترقی پسند دور، جدید اور ما بعد جدید دور میں لگا تار افسانے اور ناول لکھے۔ ادوار بدلتے گیے لیکن ان کا ایک منفرد اسلوب جو رومانیت اور حقیقت کا ایک خوبصورت سنگم ہے بدستور قائم رہا۔ اُن کے افسانوں میں حسن وعشق کی جلوہ طرازیاں بھی نظر آتی ہیں اور یاس وحرماں کے دلدوز نظارے بھی۔ نور شاہ ہر لمحہ بدلتے سماج اور سماجی قدروں کو اپنے افسانوں میں سمونے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔ نور شاہ کو زبان پر خاصی قدرت حاصل ہے جس کی بدولت ان کے افسانوں میں موجود ایک فطری بہاؤ قاری کو اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا ہے۔ اُن کے کئی افسانوی مجموعے منظر عام پر آ کر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ایسے مجموعوں میں ویرانے کے پھول، بے گھاٹ کی ناؤ، ایک رات کی ملکہ، من کا آنگن اداس اداس، بے ثمر سچ، گیلے پتھروں کی مہک، آسمان پھول اور لہو، ایک معمولی آدمی، کشمیر کہانی شامل ہیں:۔

''نور شاہ وادی کے ایک ایسے تخلیق کار ہیں جو تخلیقی سطح پر کسی بھی صورت میں قید و بند کے قائل نہیں ہیں۔ ان کے افسانوں میں ہر

طرح کے موضوعات دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان کے مجموعے' آسمان پھول اور لہو' میں شامل پہلی کہانی 'کہانی اور چار کڑیاں' ایک خوبصورت کہانی ہے، جسے پڑھنے کے بعد قاری ایک گہری سوچ میں پڑجاتا ہے'' ۱۰

اس دور کو پروفیسر اسداللہ وانی جموں وکشمیر میں افسانوں کے حوالے سے نشاۃ الثانیہ کا دور سمجھتے ہیں کیونکہ اس دور میں یہاں رسل ورسائل اور ابلاغ عامہ کی سہولتیں متعارف ہوئیں اور یہاں کے افسانہ نگار باہری دنیا سے منسلک ہوئے۔ اُن کے مطابق کشمیر میں افسانے کا یہ دور 1960ء کے آس پاس اختتام کو پہنچتا ہے۔

کشمیر میں اردو افسانے کے حوالے سے اس وقت دو نسلیں اپنے فن پاروں سے اس میدان کو وسعت بخش رہی ہیں ایک متوسطین اور دوئم متاخرین۔ متوسطین میں ایس ایم قمر، راجہ نذر بونیاری، م۔م صدیق، ایم نساء، ترنم ریاض (اپنے حصے کا کام کرکے چلی گئیں)، دیپک بدکی، غمگین غلام نبی، زاہد مختار، زنفر کھوکھر اور بشیر دادا غیرہ شامل ہیں۔ وحشی سعید اگرچہ متاخرین میں شامل ہیں لیکن انہوں نے چند سال پہلے ادب کی طرف پھر مراجعت کی ہے۔ عبدالرحمٰن بہزاد، مسعود سامعون، مشتاق مہدی، غلام نبی شاہد، ناثر ضمیر، ایثار کشمیری، ریاض توحیدی، نکہت نظر، نیلوفر ناز نحوی، رافیعہ ولی، ایوب شبنم، طارق شبنم اور ملک ریاض فلک وغیرہ کے نام متاخرین یا معاصرین میں قابل ذکر ہے۔ چونکہ عصر حاضر میں نئے نئے افسانہ نگار یہاں کے ادبی افق پر ظاہر ہو رہے ہیں جو کہ ایک خوش آئند بات ہے، اس وجہ سے ہوسکتا ہے کچھ نام مجھ سے سہواً چھوٹ گئے ہوں۔

مشتاق مہدی کا تازہ افسانوی مجموعہ' آنگن میں وہ' پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے

کہ اُن کے یہاں نہ موضوعات کی کمی ہے اور نہ الفاظ کی۔ ان کا افسانہ فن کی جملہ باریکیوں پر کھرا اُترتا ہے۔ اُنھوں نے علامتی انداز کو موثر اور مثبت صورت میں اپنا کر اپنے افسانوں میں معنی کی بوقلمونی پیدا کر دی ہے۔ کردار نگاری پر موصوف کی پکڑ قابل سراہنا ہے۔ اُن کے افسانوں میں 'آنگن میں وہ'، 'سوئچ بورڈ کے نمبر'، اور 'زِر وان' میں اُن کے اندر کے تخلیق کار نے خود کو بھرپور انداز میں ظاہر کیا ہے۔

غلام نبی شاہد کا تازہ افسانوی مجموعہ 'اعلان جاری ہے' کچھ سال پہلے سامنے آیا۔ سیاہ حاشیے کے قبیل کا یہ ایسا مجموعہ ہے جس میں علامتوں کے ذریعے اُس داخلی کرب کا موثر اظہار کیا گیا ہے جس سے کشمیری قوم پچھلی تین دہائیوں سے گزر رہی ہے۔ اس مجموعے میں شامل افسانوں میں کچھ نہ کہہ کر سب کچھ کہہ دینے کا ایسا اسلوب اپنایا گیا ہے جو ایک حد درجہ حساس فنکار نے واردات و احساسات کی بھٹی میں سالہا سال پک کر حاصل کئے ہیں۔ یہ ان کا لفظیاتی اظہار معلوم ہوتا ہے۔ اس مجموعے میں شامل افسانوں میں 'آجادی'، 'ابابیلیں'، 'گلی بُلا رہی ہے'، 'ہم جیت گئے' اور 'احتیاط' قابل ذکر ہیں۔

ایثار کشمیری کے تازہ افسانوی مجموعے 'کرب ریزے' کے افسانے پڑھنے کے بعد یہ بات اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ ایثار نے اگر اسی طرح مشق سخن جاری رکھی تو بہت جلد اُن کا نام صاحب کمال افسانہ نگاروں میں شمار ہوگا۔ ان کے افسانوں کی زبان میں تصنع کا کہیں شائبہ تک نظر نہیں آتا ہے۔ یہ صفت ایک کامیاب افسانہ کے لوازم میں ایک شمار ہوتی ہے۔ ایثار کے افسانوں کے موضوعات سماج کے مڈل کلاس طبقے کی خواہشیں، تمنائیں، حسرتیں، غم، خوشیاں اور مسائل و مصائب ہیں۔ ایثار کے افسانے اندھیرے میں ایک کرن کی طرح امید و رجا کی نوید بھی محسوس

ہوتے ہیں۔ ایسے افسانوں میں 'اندھیری رات کا مسافر، واپسی، ملن، اُمید اور آخری سبق اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہ افسانے ان کے افسانوی مجموعے 'کرب ریزے میں شامل ہیں۔

دیپک کنول بیسیویں صدی کی ساتویں دہائی سے افسانے لکھ رہے ہیں البتہ نوے کی دہائی میں وادی سے ہجرت کرنے کے بعد ان کا قلم ایک دہائی تک خاموش رہا۔ وادی واپس آنے کے بعد انہوں نے پے در پے چار افسانوی مجموعے شائع کیے۔ دیپک کنول کی بیشتر کہانیاں عصری ادبی ماحول کی نمائندہ نظر آتی ہیں۔ ان کی کہانیوں کی جڑیں (یعنی کردار، ماحول، منظر ،زبان) اپنی زمین میں پیوست اور شاخیں (یعنی موضوعات کے تنوع کی چھاؤں) پورے عالم بشریت کے مسائل اور واردات کا احاطہ کرتی نظر آتی ہیں۔

چونکہ دیپک کنول کو کہانی کہنے کا گُر معلوم ہے اس لیے ان کی کہانیاں قاری کو مسرت سے بصیرت تک کا سفر طے کرانے میں دیگر بڑے تخلیق کاروں کے شہ پاروں کی طرح ممد و معاون بن جاتی ہیں۔

ڈاکٹر ریاض توحیدی کے افسانوی مجموعے 'کالے دیوؤں کا سایہ' اور 'کالے پیڑوں کا جنگل' میں شامل افسانے عالمی سطح پر انسانی حقوق کی پائمالی پر ایک حساس فنکار کے واویلا کے اظہار پارے ہیں۔ ریاض توحیدی امنِ عالم کی خواہش کے ساتھ ساتھ اپنے وطن کی خوشحالی کے جنون کی حد تک متمنی ہیں۔ ان کے مطابق دنیا تبھی پھر سے جنت کا نمونہ بن سکتی ہے جب ہم اپنے اسلاف کے طریقہ سے منسلک رہیں گے۔ وہ مذہب کو خوشحالی و خوش بختی کی کنجی سمجھتے ہیں۔ اُن کے افسانوی مجموعے 'کالے دیوؤں کا سایہ' میں شامل کچھ اہم افسانے یوں ہیں: چھوڑ دو، کالے

دیووں کا سایہ، بہشت کی پکار، مشن القدس، اور رحمت کے پھول۔

وحشی سعید ساحل کی کئی دہائیوں کے بعد وادیٔ ادب میں واپسی ہوئی ہے۔ انہوں نے ایک ساتھ تین تین افسانوی مجموعوں کی اشاعت سے اتنے برسوں کی غیبت کا کفارہ ادا کیا۔ وحشی سعید علامتی رنگ میں ڈوب کر افسانے لکھتے ہیں۔ ہاں علامت اپنے اندر اگر تشبیہات کا انداز لیے ہوئے ہو تو قاری کو علامت کی گرہ کشائی کے لیے کوئی اشارہ دینا تخلیق کار پر لازمی بن جاتا ہے۔ ورنہ وہ کہے اور سنا کرے کوئی والی بات ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر علامت اپنے اندر استعارہ پن لیے ہوئے ہو تو قاری کے لیے علامتوں کے پیچھے چھپی حقیقتوں تک رسائی آسان ہوتی ہے۔ وحشی سعید کی علامتیں اوّل الذکر قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں اور وہ قاری کو کہانی کے جوہر تک پہنچنے کے لیے اشارہ بھی دیتے ہیں۔ ان کے یہاں میں نے شعور کی رو اور سُرریلزم کی تکنیکوں کا بھی بہت ہی فنکارانہ استعمال دیکھا جو انہیں عصری اردو دنیا کے کامیاب افسانہ نگاروں کی صف میں جگہ دلاتا ہے۔ ان کے کچھ اہم افسانوں میں خوسری، سکوت در سکوت، الفاظ کا جزیرہ، وہ صبح کب آئے گی، آشوبِ آگہی، الجھے لمحے اور احساس کا گھاؤ شامل ہیں۔

ناصر ضمیر معاصر اردو افسانہ نگاروں میں یہ انفراد رکھتے ہیں کہ وہ موضوعات کے اعتبار سے وادیٔ کشمیر تک ہی محدود نہیں رہے ہیں۔ اُن کا کینواس نہ صرف برصغیر کو محیط ہے بلکہ وہ عالمی سطح کے مسائل کو بھی اپنے افسانے کے تانے بانے میں فٹ کرتے ہیں۔ انہوں نے کرشن چندر کے 'کالو بھنگی' کی طرح کئی ایسے افسانے لکھے ہیں جنہیں میں شخصی افسانوں سے تعبیر کروں گا۔ یعنی کسی شخص کی ذات کو مرکز بنا کر انسانی اور کائناتی مسائل کا فنکارانہ اظہار کرنا۔ ایسے افسانوں میں زون (حبہ خاتون کی

ذات اور شخصیت پر افسانہ)، یادوں کا موسم (عمر مجید کی ذات اور شخصیت پر افسانہ)، آوارگی (مجازؔ کی ذات اور شخصیت پر افسانہ)، منٹو کہانی (منٹو کی ذات اور شخصیت پر افسانہ) قابل ذکر ہیں۔ ناصر ضمیر کا یہ منفرد انداز اُن کے فن پاروں کی دیرپائی میں ایک اہم معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ ناصر ضمیر کے افسانوں کا پہلا مجموعہ 'کاغذی لشکر کا سپاہی' حال ہی میں شائع ہوا ہے۔

شیخ بشیر احمد کے آج تک تین افسانوی مجموعے شائع ہو کر قارئین سے داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ چوتھا افسانوی مجموعہ بعنوان 'دل کا آئینہ' زیر طباعت ہے۔ شیخ بشیر احمد کو کہانی کہنے کا ڈھنگ خوب آتا ہے۔ ان کے افسانوں کی خاص بات یہ ہے کہ یہ قاری کے دل میں اُتر کر ایک دیرپا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ موضوعاتی سطح پر اِن کے افسانے ارضیت کی بو باس لیے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے آس پاس جو کچھ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں، اُسے اپنے قاری تک اُسی تاثر کے ساتھ پہنچانا چاہتے ہیں جس تاثر نے انہیں کہانی بُننے پر مجبور کیا ہوتا ہے۔

ان کے افسانوں کے کردار ہمارے آس پاس رہنے والے افراد ہیں جو اُمید و بیم، وہم و منطق اور حسرت و شادمانی کے جذبات و حالات سے رسم و راہ کرتے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ معاشرے میں موجود کوئی خرابی جب شیخ بشیر احمد کے دل کو دُکھاتی ہے تو وہ فوراً خامہ و قرطاس کی وادی میں پناہ لیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ نہ صرف ان کے مافی الضمیر کے اظہار کی شکل میں سامنے آتا ہے بلکہ فن پارہ تنبیہ الغافلین کا کردار بھی ادا کرتا ہے۔ موصوف افسانہ نگار ایک دردمند دل رکھتے ہیں، اس لیے بقول امیر مینائی 'خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیرؔ--' کے مصداق مستضعفین اور مظلومین کے حق کی خاطر آواز بلند کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ ان کے

افسانوں کا کلائمیکس اور انجام انہیں اپنے معاصرین میں منفرد بنا دیتا ہے۔

نئی نسل کو دیکھ کر کشمیر میں اردو افسانہ نگاری کا مستقبل خوش آئیند محسوس ہوتا ہے۔ پچھلے چند برسوں میں جو افسانوی مجموعے منظر عام پر آ رہے ہیں ان کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ ریاست میں اردو افسانہ اگرچہ رفتار کے اعتبار سے قدرے سُست رو ہے لیکن اس کا معیار اتنا بلند ہے کہ یہاں اس کے روشن مستقبل کی امید کی جا سکتی ہے۔

اپنے ابتدائی دنوں کی کوشش کے طور پر میں نے اس موضوع پر کئی سال پہلے ایک مضمون رقم کیا تھا جو ایک مقامی میگزین میں چھپا تھا مذکورہ میگزین کے کمپوزر سے کمپوزنگ کے دوران اُس میں کئی کوتاہیاں راہ پا گئیں تھی۔ استفادہ و حوالے کے طریقہ ہائے کار سے میری بھی کم واقفیت کی بنا پر کئی حوالے صحیح طریقے سے رقم نہیں ہوئے تھے خصوصاً پروفیسر اسد اللہ وانی صاحب کے مضمون کا حوالہ رہ گیا تھا۔ آج یہ مضمون حذف و اضافہ کے ساتھ نئے سرے سے رقم کر کے اُن کمیوں کا ازالہ کرنے کی بھی کوشش کی گئی ۔

☆☆☆

حوالہ جات:

1 پروفیسر عبدالقادر سروری بحوالہ ہمارا ادب، کلچرل اکادمی، 1987ء۔ص 25)

2 برج پریمی، ذوق نظر، رچنا پبلی کیشنز، جانی پور جموں، 2000ء۔ص 39)

3 احتشام حسین، دیباچہ، کاغذ کا واسدیواز پریم ناتھ در، حلقہ ارباب ذوق دہلی، 1949ء۔ص ج)

4 پروفیسر اسد اللہ وانی، جموں کشمیر میں اردو افسانہ تعمیر، محکمہ اطلاعات، حکومت جموں و

کشمیر،1983۔ص82)
5 ایضاً
6 پروفیسر شکیل الرحمٰن، دیباچہ، وادی کے پھول از حامدی کاشمیری، شاہین بک سٹال سرینگر، 1957ء۔ص4)
7 پروفیسر اسداللہ وانی، جموں کشمیر میں اردو افسانہ، تعمیر محکمہ اطلاعات، حکومت جموں و کشمیر،1983۔ص84)
8 محمد سلیمان حجام، اردو فکشن میں سماجی مسائل کی عکاسی، مشمولہ اردو ریسرچ جرنل 2017ء، شمارہ 11۔ص140)
9 پروفیسر اسداللہ وانی، جموں کشمیر میں اردو افسانہ، تعمیر محکمہ اطلاعات، حکومت جموں و کشمیر،1983۔ص85)
10 فلک فیروز، عرفان رشید، اردو ریسرچ جرنل، جنوری2019، شمارہ11)

☆☆☆